بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

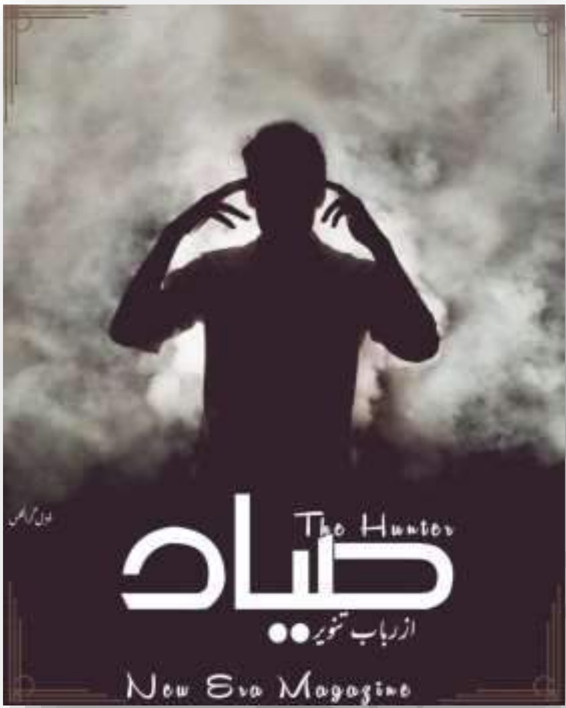

رباب تنویر نے یہ ناول (صیاد) صرف اور صرف نیوایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھا ہے۔اس ناول (صیاد) کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیوایرا میگزین (New Era Magazine) کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے، ڈائجسٹ، سوشل میڈیا یا ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ: نیوایرا میگزین

****

"آنی آج مجھے پرنس والی کہانی نہیں سننی. مجھے ایسی کہانیاں اچھی نہیں لگتی" سنگل بیڈ پر لیٹے اس دس سالہ بچے نے کہا. وہ بچہ اس کوٹھری نما کمرے میں پڑے سنگل بیڈ پر اپنی آنی کے بازو پر سر رکھے لیٹا تھا

" آپ کو ایسی کہانیاں کیوں اچھی نہیں لگتی؟"

" یہ کہانیاں بہت بورنگ ہوتی ہیں. آپ آج مجھے کوئی مختلف کہانی سنائیں"

" آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو کس قسم کی کہانی سننی ہے"

" مجھے ڈارک سٹوری سننی ہے. ایسی کہانی جس میں جنگ, نسل کشی, بچوں کے ساتھ بدسلوکی, خوفناک جرائم, دہشت گردی یا لوگوں کی اسمگلنگ ہو" اس بارہ سالہ بچے کے منہ س یہ الفاظ سن کر وہ عورت دھنگ رہ گئی.

" ایسی کہانیوں کا ذکر آپ نے کہاں سے سنا ہے؟"

" وہ اندھیرا کمرہ جس میں میں بند رہا تھا وہاں مجھے ایک کتاب ملی تھی. اس کتاب میں بہت سی ڈارک سٹوریز لکھی تھیں"

" آپ کو ڈر محسوس نہیں ہوا انہیں پڑھ کے؟" عورت نے بے چینی سے سوال کیا

" جب میں نے پہلی مرتبہ وہ کہانی پڑھی تب میرے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی اور سردی میں میں پسینے سے نہا گیا تھا. کیا اس احساس کو ڈر لگنا کہتے ہیں؟"

" ہم اسے ہی ڈر کہتے ہیں" وہ عورت جواب دے کر کچھ دیر رکی پھر موضوع بدلتے ہوئے بولی

" اچھا مجھے یہ بتاؤ جب آپ اپنے مما بابا سے ملو گے تو کیا محسوس کرو گے "

عورت کے سوال پر بچہ ٹھوڑی تلے ہاتھ ٹکا کر کچھ دیر سوچتا رہا. چہرے کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ وہ اس سوال کا جواب تلاش نہیں کر پا رہا. پھر کچھ دیر بعد جھنجھلا کر بولا

" مجھے نہیں پتا میں کیا محسوس کروں گا.... آپ کو پتا تو ہے آنی مجھے احساسات کی پہچان ہے, نہ ہی مجھ سے فیلنگز کا اظہار کیا جاتا ہے اور نہ ہی میں دوسروں کے احساسات کا اندازہ لگا پاتا ہوں. اس لیے آپ مجھ سے احساسات کے متعلق سوال نہ کیا کریں" بچے کی بات سن کر اس عورت کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرایا

" میں اسی لیے تم سے فیلنگز کے بارے میں سوال کرتی ہوں تاکہ تم اپنے احساسات کو پہچاننے کی کوشش کرو. تمہیں اپنی اس کمزوری پر ابھی سے قابو پانا ہے اور ایک نارمل انسان کی طرح زندگی گزارنی ہے".

" میں کوشش کرتا ہوں آنی مگر ہر دفعہ میں اپنے احساسات کا اظہار کرنے میں ناکام ہو جاتا ہوں"

" اگر تمھے احساسات کا زبان سے اظہار کرنا مشکل لگتا ہے تو تم اپنے عمل سے ان کا اظہار کر دیا کرو. اپنے احساسات کو کبھی دبانا نا کیونکہ ایسا کرنے سے تم ہیجانی کیفیت کا شکار ہو جاؤ گے"

" ایک بات اور کبھی اپنی اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش ترک مت کرنا. زندگی کے کسی بھی میدان میں ہار نہ ماننا کیونکہ ہار مان لینا انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے"

" ایک دن تم سب سیکھ جاؤ گے"

" آنی جزباتی آگاہی سیکھنے سے نہیں آتی یہ قدرتی طور پر ہم میں موجود ہوتی ہے"

" کئی دفعہ زندگی میں ہونے والے واقعات ہماری جزباتی آگاہی کو متاثر کرتے ہیں. جس وجہ سے ہمارے احساسات دھندلے پر جاتے ہیں. اگر آپ کوشش کروگے تو ایک نہ ایک دن یہ دھند چھٹ جائے گی"

" کیا میں پیدائشی طور پر ایسا ہوں؟"

" بالکل نہیں. آپ پیدائشی طور پر ایک نارمل بچے تھے جو خوشی, غمی, ڈر, محبت, انسیت جیسے احساسات سے واقف تھا اور ان کا اظہار کرنا بھی جانتا تھا. آپ بچپن میں احساسات کے معاملہ میں بہت ایکسپریسو expressive ہوا کرتے تھے"آنی نے ایک نظر اس بچے کی جانب دیکھا جو پھٹا پرانا لباس پہنے اپنا گردآلود چہرہ ان کی جانب گھمائے توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا. آنکھوں کے نیچے ہلکے, گالوں کی ابھری ہوئی ہڈیاں اور دبلے پتلے جسم سے ظاہر تھا کہ اس کو دی جانے والی خوراک اس کے لیے ناکافی ہے. سونے کا چمچ منہ میں لیے پیدا ہونے والے اس بچے کو لٹے پھٹے حال میں دیکھ کر اس عورت کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں. اس عورت کا حال بچے سے مختلف نہیں تھا .

" حالات کی ستم ظریفی انسان کو عرش سے فرش پر لا پٹختی ہے"اس عورت نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا. اپنی آنی کو روتا دیکھ وہ بچہ بے چین ہوا. پھر اس عورت کے ہاتھ کی پشت سہلانے لگا. یہ تسلی دینے کا انداز تھا زبان سے نہیں عمل سے .

" آنی ایک سوال کا جواب دیں گی؟"بچے نے اس عورت کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی

" کون ساسوال ؟"اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس عورت نے جواب دیا .

" کبھی کبھی مجھے وہم سا ہوتا ہے کہ موجودہ صورت حال پہلے بھی واقع ہوئی ہے.ایسا لگتا ہے جیسے میں اس صورت حال کو پہلے دیکھ چکا ہوں.ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے مجھے "

" اس احساس کو کہتے deja vu ہیں.یہ فرانسیسی لفظ ہے جس کا مطلب already seen(پہلے سے دیکھا ہوا) ہے.کچھ ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ یہ عمل یادوں کے محرک ہونے کے ساتھ جڑا ہے.جبکہ کچھ کا کہنا ہے جب دماغ کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک معلومات کی منتقلی میں لمحے کے ہزارویں حصے جتنی تاخیر ہو جاتی ہے تب دماغ کا ایک حصہ اس معلومات کو دو مرتبہ وصول کرلیتا ہے.جس کی وجہ سے ہمیں لگتا ہے کہ ہم اس منظر کو پہلے بھی دیکھ چکے ہیں"آنی نے تفصیل بتائی

" کیا سارے لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے ؟"

" ایک اندازے کے مطابق نوجوان میں ستر سے اسی فیصد لوگ اس تجربے سے گزرتے ہیں.جبکہ اس سے بڑی عمر کے افراد میں پچاس سے ساٹھ فیصد لوگ اسے محسوس کرتے ہیں "

" میں تو بچہ ہوں پھر مجھے یہ احساس بار بار کیوں ہوتا ہے ؟ "

" آپ کو یہ احساس اس لیے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ آپ اپنے خواب کبھی نہیں بھولتے . Deja Vu وہ لوگ زیادہ محسوس کرتے ہیں جو سفر کرتے ہیں اور جنہیں اپنے خواب یاد رہتے ہیں"عورت کی بات پر اس بچے نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا.

New Era Magazine

" رات بہت گہری ہو گئی ہے اس لیے سو جاؤ اب "اس عورت نے کمرے میں بنے روشندان سے جھانکتے کالے آسماں کو دیکھتے ہوئے کہا. وہ روشندان بہت اونچائی پر بنایا گیا تھا تا کہ کوئی اسے پھلانگ کر باہر نہ جا سکے. عورت کی بات کے بعد اس تنگ و تاریک کمرے میں خاموشی چھا گئی. اس خاموشی میں جانوروں کی سر گوشیاں گونجنے لگی تھیں

....

کانوں کو چیرتی ہوئی الارم کی آواز دیو سائی ریسٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں گونجی. یہ آواز سنتے ہی بیڈ پر سویا وجود بیدار ہوا. بلب کی تیز روشنی کے باعث اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑیں. چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھیں اس تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو وہ خالی نظروں سے چھت کی جانب دیکھنے لگا. اس کی کیفیت سے ظاہر تھا کہ وہ سوتے وقت خواب دیکھ رہا تھا جس کے حصار میں وہ اب تک جکڑا تھا. پیشانی پر چمکتے پسینے کے قطرے اس بات کا واضح ثبوت تھے کہ خواب کی نوعیت دہلا دینے والی تھی. آہستہ آہستہ اس کی خالی نظروں میں رنگ ابھرنے لگے تھے شاید وہ حقیقی دنیا کی جانب واپسی کا سفر طے کر رہا تھا. سفر کا اختتام یوتے ہی وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا. ایک ہاتھ سے پیشانی سے پسینہ صاف کرتے وہ اپنے خواب کو یاد کرنے لگا. اس خواب کی شروعات ان خوابوں کی طرح کی ہی تھی جو وہ بچپن سے دیکھتا آیا تھا. آٹھ سال کی عمر سے وہ ایک ہی خواب دیکھتا آیا تھا. اس کے خواب میں ایک ہی کردار تھا اور ایک ہی بے رنگ منظر. وہ واحد کردار ایک چھوٹے بچہ تھا اور واحد منظر اس اندھیرے کا تھا جس سے گھبرا کر بچہ بلند آواز میں زار و قطار رو رو کر اپنے عزیزوں کو مدد کے لیے پکارتا ہے. اس بچے کی آواز

میں خوف اور امید بیک وقت موجود تھے. خوف اس اندھیرے کا تھا اور امید اس بات کی تھی کہ اس کے پیاروں میں سے کوئی تو اس کی مدد کرنے آئے گا. اس کے منہ سے یہ الفاظ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے

" ماما بابا نکالیں مجھے یہاں سے....... مجھے ڈر لگ رہا ہے.... ماما آپ جانتی تو ہیں کہ میں اندھیرے سے گھبرا جاتا ہوں..... پلیز نکالیں مجھے یہاں سے.. یہاں بہت اندھیرا ہے..... اندھیرا بھی ایسا جس میں روشنی کی ایک لکیر بھی موجود نہ ہو... مجھے نکالیں.... میرا دم گھٹ رہا ہے"

آخری الفاظ بولتے ساتھ ہی وہ بچہ زمین پر ڈھلک گیا. یہ وہ خواب تھا جو الہان سالوں سے دیکھتا آیا تھا. مگر چند دنوں سے آنے والے خوابوں کا اختتام مختلف تھا. آخر میں بچے کے لڑکھڑانے کی بجائے اس اندھیرے منظر میں مختلف رنگ بڑھ جاتے. آج اس نے خواب کے آخر میں جامنی رنگ کے لیونڈر lavendar دیکھے تھے. سارے خواب کو ذہن میں دورانے کے بعد الہان نے گردن گھما کر کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں سے نظر آتی روشنی اس بات کا واضح اعلان تھی کہ فجر کی نماز کا وقت ختم ہو چکا ہے. جھنجھلا کر اس نے اتنی دیر سے چیختے الارم کو بند کیا اور بستر سے اٹھ کھڑا ہو. کچھ دیر بعد ٹریک سوٹ میں ملبوس کمرے سے باہر نکلا. چہرے پر کچھ دیر پہلے والے گھبراہٹ کے تاثرات کی جگہ تروتازگی چھائی تھی. اسے اپنے تاثرات بدلنے اور جزبات پر قابو پانے میں کمال حاصل تھا. وہ احساسات کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتا تھا.

احتشام کے کمرے کے باہر رک کر وہ دستک دیتے ساتھ بولا

New Era Magazine

" خواب خرگوش کے مزے لوٹنا بند کردیں احتشام چچا" دروازہ نہ کھلتا دیکھ کر وہ جھنجھلا کر بولا۔

" سورج سوا نیزے پر پہنچ گیا ہے مگران جناب کا بستر چھوڑنے کا دل ہی نہیں کر رہا۔" مبالغہ آرائی کی انتہا کرتے ہوئے الہان نے صبح کے چھ بجے ہی سورج کو سوا نیزے پر پہنچا دیا۔

"میں نے تو سنا تھا لوگ جوانی میں بے فکری کی نیند سوتے ہیں مگر آپ کو بڑھاپے میں نیندیں چڑھی ہیں" ہاتھ کے ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی بڑی تیزی سے چل رہی تھی ۔

" تمہے کس نے کہہ دیا کہ میں بوڑھا ہوں؟ بھئی میری عمر ہی کیا ابھی... اگر راتیں نکال دی جائیں تو میں اب بھی پچیس سالوں کا ہوں اور الحمداللہ تم سے عمر میں کم ہی لگتا ہوں" نیند سے بوجھل آنکھیں ملتے ہوئے احتشام نے دروازہ کھولا اور ساتھ ہی اس کو ٹکا کر جواب دیا ۔

" جھوٹ وہ بولیں جو پکڑا نہ جاسکے۔ اندھا بھی بتا سکتا ہے کہ ہم دونوں میں سے عمر میں کون بڑا ہے۔ عمر میرے باپ جتنی اور مقابلے مجھ سے۔" کہتے ساتھ ہی الہان لاؤنج کی کھڑکیوں کے پردے ہٹانے لگا

" اپنے باپ کو بیچ میں مت لاؤ" احتشام کی بات کا الہان کوئی جواب دیے بغیر ایلکس کو پکارنے لگا

" ایلکس" ایلکس اس کی پکار پر بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا اور اپنی مخصوص روبوٹک آواز میں بولا

" یس باس "

" کمپنی کی رپورٹ کی بریفنگ دو مجھے "الہان نے حکمیہ انداز میں کہا. احتشام ان دونوں کو مصروف دیکھ کر فریش ہونے کے لیے چلے گئے تھے

" پلین کے مطابق ہی سارہ کام چل رہا ہے باس. پروگرامنگ کا کام تقریباً مکمل ہو گیا ہے. امید ہے آج پروجیکٹ ٹیسٹنگ ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر دیا جائے گا. "ایلکس کو کمپنی کا مینجنگ ڈائیریکٹر روز کی رپورٹ سینڈ کر دیتا تھا جسے وہ سکین کر کے الہان کو بریفنگ دیتا تھا .

" سارے ڈیپارٹمنٹ کی کارکردگی کیسی جارہی ہے؟ "

" ڈیپارٹمنٹ کی کارکردگی تو اچھی جارہی ہے مگر ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ کی کارکردگی بہت خراب ہے "

" کیا مطلب؟ "الہان نے بھوئیں اچکائیں .

"مطلب یہ باس کہ سب ہیڈز آپ کی غیر موجودگی کا خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں. اپنا کام اپنے ماتحت کے سپرد کر کے وہ سارے خود فضول گوئی میں مصروف ہو جاتے ہیں. "بات ختم کرنے کے بعد ایلکس نے ٹرنک میں لگی سکرین پر وہ ویڈیوز دکھائیں جس میں سب ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ ہاتھ میں کول ڈرنکس پکڑے گول دائرے کی صورت میں کھڑے خوش گپیاں لگانے میں مصروف تھے. ان کی گفتگو حرف بہ حرف گوش گزار کرنے کے بعد الہان نے ایلکس کو ویڈیو بند کرنے کا سگنل دیا

" ٹھیک ہے ایلکس کل دبئی جا کر ہی ان سب کی خبر لوں گا "ایلکس کو جواب دے کر الہان پورچ کی جانب بڑھ گیا .

کچھ دیر بعد احتشام جب فریش ہو کر باہر نکلے تب ایلکس صاحب دائیں ہاتھ سے اپنا بائیاں بازو تھامے اسے دوبارہ سے کندھے میں فکس کرنے میں مصروف تھا. احتشام نے ہڑ بڑا کر اس کی جانب دیکھا پھر جلد ہی اپنی ہڑ بڑاہٹ پر قابو پا لیا. ایلکس کو مخاطب کیے بغیر انہوں نے الہان کی تلاش میں نظریں دورائیں

" کہاں چلا گیا یہ لڑکا. لڑکا نہیں آدمی کہنا زیادہ بہتر ہو گا" الہان کی تلاش میں جب وہ پورچ میں آئے تو اسے پورچ کی میں لگے واحد سیب کے درخت کی جانب پر سوچ انداز میں دیکھتا پا کر بولے

" صبح صبح کیوں نیوٹن کی طرح کا پوز بنائے بیٹھے ہو؟ نئ گریویٹی ڈسکور کرنے کا ارادہ ہے؟"

" جب بھی بولیں گے فضول ہی بولیں گے" الہان نے دانت پیستے ہوئے کہا

" کیا کہا؟ میں فضول بولتا ہوں؟ شرم نہیں آتی تمہے اپنے سے بیس سالہ بڑے لڑکے کو ایسے کہتے ہوئے؟ "

(پچاس سال کا ہو کر بھی خود کو لڑکا کہہ رہے ہیں اور میں تیس سال کی عمر انہیں آدمی دکھتا ہوں...... حد ہے بھئی ڈبل سٹینڈرڈ کی بھی) یہ بات الہان نے دل میں کہی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے احتشام کے منہ پر یہ بات کہی تو نیا محاذ شروع ہو جانا تھا .

" چھوڑیں اس بات کو پچاس سال کے لڑکے آپ یہ بتائیں خواب میں لیونڈر دیکھنا کس چیز کی نشان دہی ہے" الہان نے طنز کیا جسے احتشام نے بڑا مانے بغیر مسکرا کر وصول کیا

"لیونڈروہ جامنی رنگ کی خوشبودار جھاڑیاں؟"الہان نے سر ہلا کر ان کی بات کی تصدیق کی۔

میرے علم کے مطابق خوابوں کی زبان میں لیونڈر اس بات کہ علامت ہے کہ بہت جلد آپ اپنی مشکلات پر قابو پالیں گے, آپ کے سماجی حلقے میں نئے لوگ شامل ہوں گے یہ سب آپ کے لیے اطمینان بخش اور آرام دہ ہو گا "

"اور خواب میں سبز رنگ کس بات کی علامت ہے"

"سبز رنگ ایک مثبت علامت ہے گرین رنگ امید, شفااور صحت کو ظاہر کرتا ہے"

"آپ نے onierology پڑھی ہے "الہان خوابوں کی وضاحت ان کے منہ سے سن کر حیران ہوا تھا اس لیے پوچھ بیٹھا

"ہم کچھ سال پہلے Oneirology میں نے پڑھی تھی".

"تمہارے بے رنگ خوابوں میں رنگ کب سے بھرنے لگے؟"احتشام جانتے تھے کہ بچپن سے وہ کلر لیس ڈریمز دیکھتا آیا ہے مگر اس کے خوابوں میں رنگوں کی موجودگی سن کر وہ چونک گئے تھے۔

یہ واردات ایک ہفتہ پہلے ہی ہوئی۔ میں تو خود اب تک اس بات پر حیرت زدہ ہوں کہ میرا شمار بھی دنیا کے ان پچیس سے انیتس فیصد لوگوں میں ہونے لگا ہے جو کلرفل ڈریمز دیکھتے ہیں"

"ان خوابوں میں بسے رنگوں کو دیکھ کر تو لگتا ہے کہ قسمت کی لکیریں ایک دفعہ پھر گردش میں ہیں اور اس دفعہ یہ گردش خزاں میں لپٹی ہماری زندگیوں کو بہار کی رونق بخش دے گی"

" میں ہاتھوں کی لکیروں پر نہیں مٹھی کی طاقت پر یقین رکھتا ہوں."اس کی بات پر احتشام اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئے. الہان اب خارجی دروازے کے قریب بنے شوریک میں سے جو گرز نکال کر پہننے میں مصروف تھا. ساکس پہننے کے لیے اس نے ٹراؤزر کا پائنچہ اوپر کیا تو دائیں ٹانگ پر ٹخنے سے کچھ اوپر زخم کا نشان واضح ہوا. چھوٹے چھوٹے سرخ دھبے جو ٹخنے کے جوڑ کے ارد گرد دائرے کی صورت میں تھے. یہ نشان اس زخم کا تھا جو لمبے عرصے تک بیڑیاں پہننے کے باعث ہوا تھا.

" یہ ابھی تک مندمل نہیں ہوا؟"احتشام کا اشارہ اس نشان کی جانب تھا

" مجھے شاید ساری زندگی اس نشان کو ساتھ لیے چلنا ہے کیونکہ وہ زخم جو مرہم لگنے کا وقت کھو دیں داغ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں"

" داغ تو درد پر قابو پانے کا ثبوت ہوتے ہیں"احتشام نے دلیل دی

" ہوتے ہوں گے لوگوں کے لیے داغ درد پر قابو پانے کا ثبوت مگر میرے لیے نہیں ہے کیونکہ میں اس زخم کی درد آج بھی میں محسوس کرتا ہوں. درحقیقت زخم تکلیف دہ نہیں ہوتے ان سے جڑی یادیں تکلیف دہ ہوتی ہیں. جب تک وہ یادیں دھندلی نہیں ہوتی زخم کی تکلیف ختم نہیں ہوتی اور اس زخم سے جڑی ایک ایک یاد میرے ذہن میں آج بھی واضح ہے"اپنا جملہ ختم کر کے وہ احتشام پر نظر ڈالے بغیر گھر سے باہر نکل گیا. جبکہ احتشام دکھی نظروں سے اس کی پشت کو اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا. وہ شاید اس امید میں تھے کہ وہ واپس پلٹ کر ان کے گلے لگے گا اور اپنے درد کا بوجھ ان کے ساتھ بانٹے گا.

مگر ان کی امید کو ناامیدی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ دوسری جانب ان کا اکلوتا بھتیجا تھا جس نے اس دفعہ پکا ارادہ کیا تھا کہ زندگی میں اب کسی کا سہارا نہیں لے گا. بدن درد سے چور ہی کیوں نہ ہو اللہ کے علاوہ کسی کو مدد کے لیے نہیں پکارے گا. مگر وہ بات جو وہ فراموش کر بیٹھا تھا وہ یہ تھی کہ اللہ بھی انسان کی مدد کے لیے انسان کی صورت میں ہی کسی کو بھیجے گا. رہی بات اس کے دوسروں کا سہارہ نا لینے والے ارادے کی تو وہ بھی بہت جلد ساحل پر بنے ریت کے گھر کی طرح بکھر نا تھا قسمت نے اس کے لکیروں میں ایک سہارا پھر سے لکھ دیا تھا. وہ لاکھ سہاروں سے دامن بچائے مگر جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہنا ہے .

....

فون کی روشنی بلونڈ بالوں میں گھرے اس صبیح چہرے کے خدوخال واضح کر رہی تھی. حجر اس وقت اپنے بیڈروم میں کھڑی ہیری کی طرف سے موصول ہوا میسج پڑھ رہی تھی. ہیری نے اس کی دبئی کی فلائٹ کی تفصیلات بھیجی تھیں. کل صبح سات بجے کی فلائٹ تھی اس کی. ساری تفصیلات غور سے پڑھنے کے بعد اس نے فون بند کیا اور کمرے میں بنی کلوزیٹ سے ٹریولنگ بیگ نکال کر اس میں ضروری سامان رکھنے لگی. فارکی دی ہوئی فائل بھی اس نے اس بیگ میں رکھی. اس کام سے فارغ ہو کر وہ فون ہاتھ میں لیے لاؤنج میں آئی اور صوفے پر دراز ہو کر لیلی سنگ کے vlogs دیکھنے لگی. اس نے بمشکل آدھا vlog ہی دیکھا جب فون کی سکرین پر سائمن کا نمبر روشن ہوا اور ساتھ ہی جسٹن بیبر کا "لو یور سیلف" گانے سے لاؤنج گونج اٹھا .

" ہالو" ریسو کانٹن دبا کر حجر فون کان سے لگاتے ہوئے بولی

" ہالو حجر.....گھر آگئی ہو گروسری کر کے؟ "

" میں تو کب کی آگئی ہوں. تم بتاؤ کیا بات کرنی تھی تم نے؟ "

" وہ فائل سٹڈی کی تم نے جو کل میں نے تمہے دی تھی؟"سائمن کے منہ سے فائل کا سن کر اسے وہ فائل یاد آئی جو اس نے صبح لاپرواہی سے دوسری فائلوں کے بیچ رکھ دی تھی. فار کی دی ہوئی فائل کی سٹڈی کے بعد وہ اس فائل کو بالکل فراموش کر بیٹھی تھی .

" نہیں.....بھول گئی تھی میں "

" حجر پلیز ایک مرتبہ اس فائل کو سٹڈی کر لو. ریکویسٹ ہے میری تم سے "

" میں ابھی دیکھ لیتی ہوں اسے. پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟"

" میرا براہ راست اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے"

" پھر تم یہ کیس میرے حوالے کرنے پر بضد کیوں ہو؟"

" میں بضد نہیں ہوں یہ کیس تمہے دینے پر میرے باس بضد ہیں کہ یہ کیس تم ہی حل کرو اور تمہے اس کیس کے لیے راضی کرنے کی ذمہ داری باس نے میرے سپرد کی ہے"

" تمہارا باس مجھے جانتا ہے؟"حجر نے سوال کیا

" پتا نہیں....میں نے پوچھا تھا باس سے مگر انہوں نے بات ٹال دی تھی. تم ایک دفعہ فائل دیکھ لو باس کو یقین ہے کہ تم فائل دیکھنے کے بعد کیس لینے پر راضی ہو جاؤ گی"

" کوئی خبطی انسان لگتا ہے مجھے تمہارا باس.... بھلا وہ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں فائل دیکھنے کے بعد راضی ہو جاؤں گی"

" یہ میں نہیں جانتا..... تم ایک بار فائل دیکھ کر یہ قصہ ختم کرو تاکہ میری زندگی سکون میں آئے "

" میں فائل دیکھ کر تمہیں فون کروں گی " حجر نے مزید چند باتوں کے بعد فون بند کر دیا. اس کا رخ لیب کی جانب تھا. اسے تجسس ہونے لگا تھا کہ اس کیس میں ایسا کیا ہے جس کے باعث اس شخص (باس) کو یقین ہے کہ میں کیس لے لوں گی. فائلوں کے ڈھیر میں سے اس نے سائمن کی دی ہوئی فائل الگ کی. فائل کے پہلے صفحے پر اغواہ ہونے والے بچوں کے متعلق معلومات لکھی تھی .

"نام: علی ریاض"

"عمر: بارہ سال دو ماہ"

"اغواہ کا مقام: علی اسلام آباد کے مرکز جی-ٹین میں بنے فیڈرل سکول کا طالب علم تھا. صبح علی سکول کے قریب گلی نمبر 66 میں بنے اپنے گھر سے سکول کے لیے نکلا تھا مگر سکول میں اس کی حاضری نہیں لگی تھی. گھر والوں کا کہنا ہے کہ علی سکول کے راستے میں ہی اغواہ ہوا ہے کیونکہ محلے کے چند لوگوں نے صبح ساڑھے سات کے قریب گلی کے آخر میں بنی دیوار پر مرے ہوئے باز کی تصویر کو چسپاں دیکھا تھا"

"اغواہ کا وقت: سات ساڑھے سات کے درمیان بچہ اغواہ ہوا تھا"

"اغواہ کی تاریخ: 20 مئی"

"اغواہ کی رپورٹ درج کروانے کی تاریخ: جس دن بچہ اغواہ ہوا تھا اس سے اگلے دن یعنی 21 مئی والے دن رپورٹ درج کروادی گئی تھی".

پہلا اغواہ کیس پڑھنے کے بعد حجر نے خود کلامی کے انداز میں کہا

" تصویر؟ کس قسم کی تصویر چسپاں تھی دیوار پر؟" کہتے ساتھ ہی حجر اس تصویر کی تلاش میں فائل کے صفحے آگے کرنے لگی. تیزی سے چلتے اس کے ہاتھ ایک صفحے پر آکر رکے. اس صفحے پر وہ تصویر لگائی گئی تھی جو اس گلی سے برآمد ہوئی تھی. وہ تصویر ایک مرے ہوئے باز کی تھی جسے بڑے مہارت سے بنایا گیا تھا. اس تصویر کو دیکھ کر حجر کے چہرے پر ناقابل فہم تاثرات ابھرے. درجہ حرارت تین ڈگری ہونے کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمایاں تھے. یہ قطرے کیس کے باعث نہیں اس مرے ہوئے باز کی تصویر کے باعث تھے. کئی لمحے تو وہ اس تصویر سے نظریں ہی نہ ہٹا پائی .

" ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا.

غائب دماغی میں اس کا بائیاں ہاتھ اپنی دائیں کلائی کی جانب بڑھا. تصویر سے نظریں ہٹا کر اس نے ایک نظر شرٹ کی سلیوز سے ڈھکی اپنی دائیں کلائی کو دیکھا. شرٹ کا بازو کھینچ کروہ ہتھیلی تک لائی اس کے ایسا کرنے سے اس کی کلائی مکمل طور ہر چھپ گئی تھی .

" یہ محض اتفاق ہے. ہو سکتا ہے کسی نے ویسے ہی دیوار پر وہ تصویر لگادی ہو." اس کے ہونٹ پھڑ پھڑائے

اپنی اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے اس نے باقی تمام اغواہ ہونے والے بچوں کی معلومات دیکھیں اور ان سب کو دیکھنے کے بعد اس کی "یہ محض اتفاق ہے" والی امید کو ناامیدی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ وہ تصویر ہر اس جگہ موجود تھی جہاں سے بچہ اغواہ کیا گیا تھا .

" اتنے سالوں سے اس باز کے نشان کو تلاش کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں لگا اور اب جب میں تھک کر اس کی تلاش کو ترک کر چکی ہوں تو یہ اچانک ایک بار پھر سے میرے سامنے سوالیہ نشان بن کھڑا ہو گیا ہے".

" کیا قدرت مجھے ایک بار پھر سے اسے تلاش کرنے کا اشارہ دے رہی ہے ؟ "

کچھ دیر اس سوال کا جواب سوچنے کے بعد وہ ایک فیصلے پر پہنچی . دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر اس نے کچھ دیر پہلے والے تاثرات مٹائے اور فون اٹھا کر سائمن کا نمبر ملایا

" ہالو سائمن .... میں یہ کیس لینے کے تیار ہوں "فون ملتے ہی اس نے کہا

" کیا واقعی ؟"سائمن کو اس پر یقین نہ آیا تھا.

" ہمم "

" اچانک سے راضی کیسے ہو گئی تم ؟ آدھے گھنٹے پہلے تک تو تمہارا کوئی ارادہ نہیں تھا کیس لینے کا"

" فائل دیکھی ہے کیس کی میں نے . بہت پیچیدہ کیس ہے اس لیے سوچا خود ہی سولو کروں "

اصل بات وہ چھپا گئی تھی .

"اس کا مطلب میرے باس کی پیشن گوئی ہمیشہ کی طرح پھر سے سہی ثابت ہوئی ہے۔
انہوں نے کہا تھا فائل دیکھ کر تم راضی ہو جاؤ گی اور تم واقعی میں راضی ہو گئی ہو۔اس فائل میں ایسا بھی کیا ہے کہ تم نے اپنے ضروری معاملات نمٹانے کی بجائے کیس لینے کا فیصلہ کر لیا؟"

"ان باتوں کو چھوڑو تم مجھے یہ بتاؤ کہ انویسٹیگیشن کا آغاز کب سے کرنا ہے؟"

"یہ تو باس ہی بتائیں گے۔ تم جب فارغ ہو گی بتانا میں باس کے ساتھ تمہاری میٹنگ رکھوا دوں گا"

"تمہارا باس نوروے میں رہتا ہے؟ "

"نہیں"

"پھر تم میٹنگ کس طرح رکھواؤ گے؟"

"سکائپ پر بات کر لینا"

"ٹھیک ہے۔ کل تو میں نے دبئی جانا ہے تم پرسوں رکھوادو میٹنگ"

"تم کل دبئی آ رہی ہو؟ کس لیے؟"اس کے دبئی آنے کا سن کر وہ حیرت سے بولا

"کچھ ذاتی کام ہیں مجھے"حجر نے اسے ٹالا

"کب تک فارغ ہو جاؤ گی تم اپنے ان کاموں سے؟"

"کچھ کنفرم نہیں ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ "

"کل باس نے دبئی سیمینار اٹینڈ کرنے کے لیے آنا ہے۔اگر تم جلدی اپنے کاموں سے فارغ ہو جاؤ گی تو بتا دینا میں باس سے تہاری فیس ٹو فیس میٹنگ کروا دوں گا"

“ تم رکھواد و میٹنگ میں آ جاؤں گی "

“ ٹھیک ہے. ٹائمنگ میں تمھے مسیج کر دوں گا "چند اور اختتامی کلامات ادا کرنے کے بعد حجر نے فون بند کر دیا اور اس باز کی تصویر پر ایک نظر ڈالے بغیر دوسرے بچوں کے متعلق معلومات دیکھنے لگی .

"نام: معین الدین"

"عمر: بارہ سال چار ماہ"

“ اغواہ کا مقام: معین اسلام آباد کے سروس روڈ پر ہفتے بعد لگنے والے اتوار بازار میں اپنے باپ کے ساتھ سبزیاں بیچتا تھا. معین کی رہائش بازار کے قریب ہی تھی. پچیس جون کی شام میں جب بازار بند ہونے کا وقت ہوا تو معین کے باپ نے ٹھیلے پر رہ جانے والی سبزیاں اس کے حوالے کر کے اسے انہیں گھر لے جانے کا کہا تھا. مگر بد قسمتی سے معین گھر نہیں پہنچا. بازار سے گھر تک کے راستے میں وہ باز کی تصویر ایک بار پھر سے بنائی گئی تھی ".

“ اغواہ کا وقت: شام پانچ سے چھ کے درمیان"

“ اغواہ کی تاریخ: 25جون"

“ رپورٹ درج کروانے کی تاریخ: ایک دن گھر والے بچے جوار د گرد کی آبادی میں تلاش کرتے رہے مگر ہر جگہ سے ناکامی دیکھنے کے بعد انہوں نے 26جون کی صبح کو قریبی پولیس سٹیشن میں رپورٹ درج کروائی"

دوسرا کیس پڑھنے کے بعد حجر لیب سے نکل کر کچن میں گئی. پھر کچھ دیر بعد ہاتھ میں کافی کا کپ لیے دوبارہ اندر داخل ہوئی اور وہیں سے فائل پڑھنے کا سلسلہ جوڑا جہاں چھوڑ کر گئی تھی .

"نام: حمزہ عرفان"

"عمر: بارہ سال چھ ماہ"

" اغواہ کا مقام: حمزہ کا تعلق اسلام آباد کے علاقے آبپارہ سے تھا. وہ چھٹی جماعت کا طالب علم تھا. حمزہ کی خالہ اسلام آباد کے علاقے کھنہ پل کی رہائشی تھیں. چھٹی کے دن حمزہ کی والدہ نے اسے اس کی خالہ کے گھر سامان دینے کے لیے بھیجا تھا. وہ اکثر روٹ نمبر ا کیس کی لاکل بس کے ذریعے اپنی خالہ کے گھر جایا کرتا تھا. مگر اس دن وہ اپنی خالہ کے گھر نہیں پہنچا. رات تک وہ جب گھر واپس نہ آیا تو اس کے والد اس کی خالہ کے گھر اسے واپس لینے گئے. مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ وہاں پہنچا ہی نہیں. بس میں بیٹھے مسافروں کو بس کی سیٹ کے پچھلی جانب باز کی تصویر لگی ملی تھی".

"اغواہ کا وقت: دوپہر دو سے تین کے درمیان"

" اغواہ کی تاریخ: 30 جولائی "

" رپورٹ درج کروانے کی تاریخ: ایک ہفتے تک حمزہ کے گھر والے غم سے نڈھال اسے قریبی ہسپتالوں, یتیم خانوں میں تلاش کرتے رہے. مگر کہیں سے بھی کوئی سراغ نہ ملا. اغواہ کے ایک ہفتے بعد 7 اگست کو ہمت ہار کر انہوں نے پولیس میں رپورٹ کروائی"

New Era Magazine

جیسے جیسے حجر اغواہ کے حادثات پڑھتی جارہی تھی کیس میں اس کی دلچسپی بڑھتی چلی جارہی تھی. صرف اس باز کی تصویر کی موجودگی کے باعث کیس کے لیے ہاں کر کے وہ بے چینی محسوس کر رہی تھی. مگر اب کیس کی تفصیلات جان کر اسے کیس لینے کا فیصلہ درست لگنے لگا تھا. وقفے وقفے سے کافی کا گھونٹ بھرتے گول شیشوں والی عینک میں سے جھانکتی اس کی ذہین آنکھیں چوتھے کیس کی جانب بڑھیں

"نام: ظہیر بابر"

"عمر: بارہ سال دس ماہ "

(ظہیر کی عمر دیکھ کر حجر کی پیشانی پر بل نمودار ہوئے)

" اغواہ کا مقام: ظہیر کا تعلق اسلام آباد کے علاقے میرابیگوال سے تھا. وہ گورنمنٹ سکول جندالا کا طالب علم تھا. سکول اس کے گھر سے کچھ دور تھا اس لیے وہ روز سائیکل پر سکول جاتا تھا. راستہ لمبا ہونے کی وجہ سے سکول سے اس کی واپسی تین چار بجے کے قریب ہوتی تھی. 15 ستمبر والے دن شام تک اس کے گھر واپس نا آنے پر اس کے والد اس کی تلاش میں گھر سے نکلے تو گھر سے کچھ دور انہیں اس کی سائیکل زمین پر گری ہوئی ملی. سائیکل کے پِلین pillion پر مرے ہوئے باز کی تصویر لگی تھی".

" اغواہ کا وقت: دوپہر ایک سے دو کے درمیان"

" اغواہ کی تاریخ: 20 ستمبر"

(اغواہ کی تاریخ دیکھ کر اس کی پیشانی پر پڑے بلوں میں مزید اضافہ ہوا"

" رپورٹ درج کروانے کی تاریخ: اغواہ کے اگلے دن یعنی 20 ستمبر کو رپورٹ درج کروائی گئی تھی ۔

پورا کیس پڑھنے کے بعد حجر خود کلامی کے انداز میں بولی

" پچھلے تین کیسز کے درمیان قریباً ایک ماہ کا فرق تھا مگر تیسرے اور چوتھے کیس کے درمیان دس دن کم دو ماہ کا فرق ہے اور تو اور پہلے تین کیسز میں ہر اغواہ والے بچے کی عمر اس سے پہلے اغواہ ہونے والے بچے کی عمر سے دو ماہ زیادہ ہوتی تھی مگر چوتھے کیس میں بچے کی عمر اس پہلے اغواہ ہونے والے بچے سے چار ماہ زیادہ تھی"

" چوتھے کیس میں اغواہ کار نے اپنا طرزِ عمل بدلا ہے یا پھر تیسرے اور چوتھے کیس کے درمیان ایک اور اغواہ کیا گیا تھا جو شاید اب تک منظر عام پر نہیں آیا ۔" کچھ دیر ممکنات پر سوچنے کے بعد حجر نے غالباً دونوں ممکنات میں سے ایک کو چن لیا تھا تبھی اگلے واقعہ کے جانب بڑھی

" نام: سعید انور"

" عمر: تیرہ سال"

" اغواہ کا مقام: سعید کے والد جی۔ٹین مرکز میں بنے پوسٹ آفس میں ڈاکیے کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور اکثر وہ خطوط ان کی بجائے سعید گھروں میں دینے جاتا تھا۔22 اکتوبر کے دن بھی سعید خطوط والا بیگ لیے گھر سے نکلا تھا۔اس کے باپ کا کہنا ہے کہ وہ جی-8 مرکز میں جہلم روڈ پر بنے گھر میں خط دینے کے لیے روٹ نمبر 105 کی وین میں بیٹھنے کا کہہ کر روانہ ہوا

تھا. رات تک جب وہ واپس نا آیا تو اس کے گھر والے اس کی تلاش میں نکلے. جس گھر میں اس نے خط پہنچانا تھا وہاں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد انہیں پتا لگا تھا کہ وہ خط سعید انہیں دوپہر دو بجے کے قریب ہی دے گیا تھا اور دوبارہ گھر کی جانب روانہ ہوا تھا. سعید کی تلاش کے دوران پولیس کو اس کا خطوط والا بیگ ملا تھا جس میں خط کی بجائے مرے ہوئے باز کی تصویر تھی. یہ بیگ انہیں گھر سے کچھ دور بنی کچرہ کنڈی میں ملا تھا"

" اغواہ کا وقت: شام چار سے پانچ"

" اغواہ کی تاریخ: 22 اکتوبر"

" رپورٹ درج کروانے کی تاریخ: سعید کے والد نے 22 اکتوبر کی رات کو ہی قریبی پولیس سٹیشن میں رپورٹ درج کروانے کی کوشش کی تھی مگر پولیس آفیسر کا کہنا تھا کہ چوبیس گھنٹے سے پہلے وہ گمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کر وسکتے. اس لیے گمشدگی کی رپورٹ اگلے دن یعنی 23 اکتوبر کو لکھوائی گئی تھی"

فائل کا آخری کیس پڑھنے کے بعد حجر نے فائل بند کی اور گول شیشوں والی عینک اتار کے سائیڈ پر رکھی. دو انگلیوں سے کنپٹی کو دباتے ہوئے وہ کیس کے متعلق ہی سوچ رہی تھی. یہ کیس اس کی سوچ سے زیادہ پیچیدہ تھا. مگر اسے اپنی قابلیت پر پورا یقین تھا. حجر کے نزدیک مجرم تک پہنچنے کا سب سے آسان ذریعہ اس جزبے تک رسائی حاصل کرنا تھا جس کے زیر اثر مجرم نے وہ جرم کیا تھا. ایک مرتبہ اس جزبے کا علم ہو جائے باقی کیس خود بہ خود حل ہو جاتا ہے .

لیب سے نکل کر وہ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھی کیونکہ اس کا ارادہ اب سونے تھا. فون پر صبح پانچ بجے کا الارم لگایا اور پھر بستر پر دراز ہو گئی .

....

یہ منظر بلوچستان کے شہر گوادر میں بنی ایک حویلی کا تھا. یہ حویلی وسیع رقبے پر پھیلی تھی. اسے مغلیہ فن تعمیر پر بنایا گیا تھا مگر اس کے اندر نئے زمانے کی ہر سہولت موجود تھی. حویلی کے مرکزی دروازے کے بعد ایک بڑا سا باغ تھا جس کے بیچ و بیچ ایک راستہ حویلی کے اندرونی حصے تک جاتا تھا. اس کے اندرونی حصہ میں ایک بڑا سا صحن تھا جس کے چاروں طرح گول دائرے کی شکل میں کمرے تعمیر کیے گئے تھے. اندرونی دروازے کے بالکل سامنے سیڑھیاں تھی جو دوسری منزل تک جاتی تھیں. حویلی میں چھایا سناٹا بائیں جانب تیسرے نمبر پر بنے کمرے کے دروازے کی چڑچڑاہٹ سے ٹوٹا. اس دروازے کے پیچھے سے تندوتوش قدو قامت والا شخص نکلا. وہ شخص سفید رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا. کندھوں پر اوڑھی اجرک اور سر پر پہنی پگڑی اس کے بلوچی ہونے کا ثبوت تھی. اس کی عمر تقریباً پینتیس برس تھی. اس شخص کے قدموں کا رخ دوسری منزل تک جاتی سیڑھیوں کی جانب تھا. دوسری منزل پر پہنچ کر وہ دائیں جانب بنے پہلے کمرے میں داخل ہوا. اس کمرے میں داخل ہو کر ایسا لگتا تھا جیسے انسان ایک قدم میں انیسویں دہائی سے اکیسویں دہائی میں آ گیا ہو. اس مغلیہ فن تعمیر پر بنی حویلی میں یہ کمرہ اکیسویں صدی میں ہونے والی ایجادات کی مانند حیران کن تھا کیونکہ اس کمرے کے قالین سے لے کر کمرے کی چھت پر لگے فانوس تک سب اشیاء جدید زمانے کے مطابق تھیں. اس نے

آگے بڑھ کر کھڑکیوں سے دبیز پردے ہٹائے تو کمرے میں سورج کی کرنیں داخل ہوئیں.
کمرے کے وسط میں پڑے بیڈ پر ایک بوڑھا وجود دراز تھا.اس کی عمر پچپن سال کے قریب تھی مگر دیکھنے میں وہ اپنی عمر سے زیادہ بوڑھا دکھتا تھا.اس شخص نے آگے بڑھ کر اس بوڑھے وجود کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا

" باباسائیں اٹھ جائیں "اس کی آدھی بات ابھی منہ میں ہی تھی جب ایک دم سے اس بوڑھے وجود کی پوری آنکھیں کھلیں. موتیے کے باعث اس کی بائیں آنکھ کا لینز کلاؤڈی cloudy تھا اور عمر رسیدگی کی وجہ سے آنکھوں کا رنگ گرے ہو چکا تھا جو دیکھنے والے کو پہلی نظر میں خوفزدہ کرتا تھا .

" باباسائیں مجھے دیکھیں میں آپ کا بیٹا ہوں سردار بہرام خان" بہرام نامی شخص کے پکارنے کے باوجود بھی وہ اس کہ جانب متوجہ ہونے کی بجائے پوری آنکھیں کھولے چھت پر لگے فانوس کو تکتا رہا.اس کے منہ کا کنارہ ایک جانب لٹکا تھا.اس کے جسم کا دائیاں حصہ فالج زدہ تھا .

" باباسائیں ایک بار میری جانب دیکھیں" بہرام نے التجائیہ انداز میں کہا

" کتنے سال ہو گئے ہیں آپ کو مجھے دیکھے ہوئے. میں آپ کا وہی بیٹا ہوں جسے دیکھے بغیر آپ کا دن نہیں گزرتا تھا. "اس کی آواز میں درد ہلکورے لے رہا تھا.

" ایک دفعہ میری جانب نگاہ کر لیجیئے ".

" باباسائیں چھبیس سال گزر گئے ہیں. ان چھبیس سالوں میں بہت کچھ بدلا ہے. جو چیز نہیں بدلی وہ ہے آپ کی حالت. چھبیس سال پہلے اس حادثے کے بعد آپ اس حالت میں ہسپتال سے گھر لائے گئے تھے اور آج اتنے سالوں بعد بھی آپ اسی حالت میں ہیں. ڈاکٹروں نے آپ پر لاکھ علاج آزما کر دیکھ لیے ہیں مگر آپ کی حالت میں انیس بیس کا فرق نہیں پڑا"

" بس کر دیں چھوٹے سائیں.... وہ وقت گزر گیا ہے جب بڑے سائیں آپ کی ہر خواہش پوری کیا کرتے تھے. اب بڑے سائیں آپ کے وجود سے بیگانہ ہو گئے ہیں. "اس کی التجاؤں کا بستر پر لیٹے وجود پر کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر اس کا خاندانی ملازم جو کچھ لمحوں پہلے ہی کمرے میں آیا تھا بولا

" باباسائیں مجھ سے بیگانہ نہیں ہیں. یہ میری ساری باتیں سنتے اور سمجھتے ہیں"

" اگر وہ آپ کی بات سن اور سمجھ سکتے تو وہ آگے سے جواب بھی دیتے "اس گفتگو کے دوران وہ بوڑھا وجود اسی انداز میں لیٹا تھا. اس کے جسم کا صرف ایک حصہ اس وقت حرکت کر رہا تھا اور وہ تھی اس وجود کی دائیں آنکھ جو کبھی چھوٹی ہو جاتی اور کبھی حد سے زیادہ پھیل جاتی. اس وجود کی نگاہیں ابھی بھی فانوس پر ٹکی تھیں .

" تم جو مرضی کہہ لو مجھے فرق نہیں پڑتا. کیونکہ مجھے یقین ہے باباسائیں سب سمجھتے ہیں اور وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے "وہ اپنی بکھری ہوئی امیدوں کو یکجا کر کے عزم سے بولا

" اللہ آپ کی زبان مبارک کرے سائیں اور بڑے سائیں کو صحت عطا کرے"

" آمین"

" چلو باباسائیں کو فریش کروانے میں میری مدد کرو" کہتے ساتھ ہی اس نے بیڈ پر لیٹے وجود کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر ویل چیئر پر بٹھایا .

"سائیں ایک بات کہوں "بخش نے ہچکچا کر پوچھا

" بولو بخش "

"مجھے لگتا ہے بڑے سائیں کسی کے انتظار میں ہیں"

" کیا مطلب ؟"اس نے بھویں اچکا کر پوچھا

" چھبیس سال پہلے ہونے والے اس حادثے کے باعث بہت سی زندگیوں میں تباہی مچی تھی. بہت سی جانیں اس حادثے کی بدولت دنیا فانی سے رخصت ہوئی تھیں. وہ پورا خاندان بکھر گیا تھا. چھوٹے سائیں آپ اس حقیقت سے نظریں نہیں چرا سکتے کہ اس حادثے کا سبب کہیں نہ کہیں بڑے سائیں تھے. "بخش کی باتیں اسے کڑوی لگیں تھیں کیونکہ وہ سب باتیں سچی تھیں.

" آپ جانتے ہیں سائیں کچھ لوگوں کو دنیا میں ہی اپنے گناہوں کا سزا مل جاتی ہے. باباسائیں کا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوتا ہے. وہ دنیا میں ہی اپنے گناہوں کہ سزا کاٹ رہے ہیں. جس دن ان کے گناہوں کی سزا ختم ہوگی اور وہ بکھرا ہوا خاندان دوبارہ سے سمٹے گا اس دن باباسائیں زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے. ہر چیز کا وقت مقرر ہوتا باباسائیں کے ٹھیک ہونے کا وقت بھی مقرر ہے. ہمیں بس اس وقت کا انتظار کرنا ہے "بخش باباسائیں کا خاص آدمی تھا اس لیے وہ ان کے ہر راز میں شریک تھا .

New Era Magazine

"اللہ کرے وہ وقت جلد آئے" بہرام اب اس ویل چیئر پر بیٹھے بوڑھے وجود کا گیلے تولیے سے منہ صاف کر رہا تھا۔ ویل چیئر کا رخ کھڑکی کی جانب تھا جہاں سے حویلی کا باغ اور باغ کے اس پار بنی سڑک نظر آتی تھی۔ منہ صاف کرنے کے بعد اس نے بخش کے ہاتھ سے ناشتے کی ٹرے لی اور نیپکن اس بوڑھے وجود کی ٹانگوں پر بچھائی۔

"بابا سائیں ناشتہ کرلیں" فالج کے باعث اس بوڑھے شخص کے چہرے کے ایک سائیڈ کے مسلز کمزور ہو گئے تھے۔

"بابا سائیں منہ کھولیں" بہرام نے پہلی پکار کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر دوبارہ پکارہ ساتھ ہی چمچ اس بوڑھے کے منہ کے قریب کیا۔ وہ بوڑھا اسی انداز میں کھڑکی کے اس پار نظریں ٹکائے بیٹھا رہا۔ اس کی گردن ایک جانب ڈھلکی تھی۔ بابا سائیں کو حرکت نہ کرتے دیکھ کر بہرام نے کھیر کا باؤل بخش کو تھمایا اور خود بائیں ہاتھ کی انگلی اور انگھوٹے سے اس بوڑھے وجود کے رخساروں کو دبایا۔ اس کے ایسا کرنے سے اس بوڑھے وجود کا منہ کھلا تو اس نے کھیر کا چمچ منہ میں ڈالا۔ اسی طریقے سے اس نے کھیر کا پورا باؤل بابا سائیں کو کھلایا۔

"اچھا بابا سائیں میں چلتا ہوں۔ شام میں ملاقات ہو گی۔ بخش یہاں آپ کے پاس ہی رہے گا" بہرام بابا سائیں سے مخاطب تھا جو جانے اس کی باتیں سن بھی رہے تھے یا نہیں۔

"بخش بابا سائیں کا خیال رکھنا"

" جو حکم چھوٹے سائیں "بخش کو ہدایت دے کر وہ مظبوط قدم اٹھاتا کمرے سے نکل گیا.
چہرے پر بڑی بڑی مونچھوں اور مظبوط قد و قامت کے باعث وہ دیکھنے میں کرخت لگتا تھا مگر اس کا انداز اس کے ظاہری حلیے سے برعکس تھا. درحقیقت وہ ایک نرم خو انسان تھا.

....

"کب نکلنا ہے تم نے ؟" گھڑی کی سوئیاں سات کے ہندسے سے ٹکراتے دیکھ کر احتشام بولے .

" آدھے گھنٹے تک نکلوں گا" نظریں لیپ ٹاپ کی سکرین پر ٹکائے اس نے جواب دیا .

" فلائٹ کتنے بجے کی ہے ؟" وہ دونوں اس وقت پورچ میں رکھی کرسیوں پر بیٹھے تھے.

" نو بجے کی "کافی کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے الہان بولا. اس کی بات کا احتشام نے کوئی جواب نہ دیا. کچھ دیر بعد الہان لیپ ٹاپ کی لڈ بند کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا .

" اس ویب سائٹ سے کوئی خبر نہیں آئی ؟ ایک ہفتہ ہو گیا ہے تصویریں اور باقی معلومات بھیجے ہوئے "کمرے کی جانب بڑھتے اس کے قدم احتشام کی آواز پر تھمے.

" میں ان سے مسلسل رابطے میں ہوں. جیسے ہی انہیں کوئی خبر ملے وہ مجھے بتادیں گے ".

" اپنے بابا کی بات تمہیں یاد ہے نہ ؟" احتشام نے اسے سوال کیا

" جی یاد ہے مجھے. آپ بے فکر رہیں میں اپنی زندگی میں جتنا مرضی مصروف ہو جاؤں اس کی تلاش ترک نہیں کروں گا. مجھے بابا سے کیا ہوا وعدہ یاد ہے "اپنی بات کہہ کر وہ احتشام کا جواب سنے بغیر اندر کی جانب بڑھ گیا. کچھ دیر میں کندھے پر ٹریولنگ بیگ پہنے وہ کالی جینز اور بلو کریو

نیک شرٹ میں ملبوس ایک ہاتھ سے بکھرے بال پیچھے کی طرف کرتے ہوئے وہ احتشام کے قریب آکر رکا

" جارہاہوں. کوشش کروں گا آج ہی واپس آجاؤں. خداحافظ "

" خیر سے جاؤ. اپنا خیال رکھنا" ان کی ہدایات پر سر ہلاتا ہوا وہ باہر کی جانب بڑھ گیا. ائیر پورٹ پہنچتے ہی اس نے بورڈنگ کروائی اور فلائٹ کے اڑان بھرنے کا انتظار کرنے لگا. اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کیونکہ جلد ہی جہاز نے پرواز بڑھ لی تھی. ساڑھے تین گھنٹوں کی فائٹ کے دوران وہ ان فلائٹ انٹرٹیمینٹ سے لطف اندوز ہوتا رہا. جیسے لینڈ ہونے کے کچھ منٹوں بعد ہی وہ آرائیول کنکورس ہال arrival concourse hall سے باہر نکل آیا تھا کیونکہ اس کے پاس سامان تو تھا نہیں جس کو لینے کے لیے اسے انتظار کرنا تھا. ایک ٹریولنگ بیگ ہی تھا جو اس کا ہینڈ کیری تھا. اس وقت وہ پارکنگ میں کھڑا اپنی کمپنی کی گاڑی کا انتظار کر رہا تھا. دس منٹ ہی گزرے تھے کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور اس نے گاڑی کا انتظار کرنے کی بجائے کیب کروائی. دبئی گیٹ وے بلڈنگ بلوک اے The Gateway Building Block -A کی بلند و بالا عمارت کے سامنے اس کی کیب رکی تو الہان مضبوط قدم اٹھاتا لفٹ کی جانب بڑھا. دوسرے فلور پر لفٹ کے رکتے ہی وہ بے تاثر چہرہ لیے باہر نکلا مگر جیسے ہی اس کی نظر لفٹ کے بالکل سامنے بنے اپنے آفس کی جانب گئی اس کی پیشانی پر بل نمایاں ہوئے. لفٹ سے اس کو نکلتے دیکھ کر ریسیپشن پر کھڑا لڑکا بولا

" اسلام علیکم سر... ویلکم بیک" وہ لڑکا دبئی میں رہنے والا عرب مسلم تھا.

New Era Magazine

" یہ سب کب سے چل رہا ہے حماد ؟"اس کی گریٹنگز کا سر ہلا کر جواب دیتے ہوئے الہان نے آفس کی طرف اشارہ کرتے سوال کیا.

" سر... وہ.. وہ"وہ لڑکا کشمکش کا شکار تھا کہ سچ بتائے یا نہ بتائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ دونوں صورتوں میں اس کی شامت آنی تھی .

" تمہے میں نے آپوئنٹ کیا ہے یا انہوں ؟"اسے کشمکش کا شکار دیکھ کر وہ بولا

" آپ نے باس "

" تو پھر ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری جاب کو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے. ہاں اگر تم مجھ سے جھوٹ بولتے ہو تو پھر تمہاری جاب کی کوئی گرنٹی نہیں "اس نے مبہم الفاظ میں حماد کو دھمکایا

" سر یہ سب کچھ آپ کے جانے کے اگلے روز سے چل رہا ہے. پانچوں ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ اپنا کام اپنے ماتحت کے سپرد کر کے خود ہنسی مزاق میں لگے رہتے ہیں "حماد اور ایلکس کی گواہیاں سننے کے بعد اسے اپنی غیر موجودگی میں ہونے والی حرکات کا بہت اچھے سے علم ہو گیا تھا .

" ٹھیک ہے تم اپنا کرو"اسے حکم دے کر وہ چہرے پر سخت تاثرات لیے آفس کی جانب بڑھا .

آفس کا دروازہ شیشے کا ہونے کے باعث اندر کا منظر واضح تھا جہاں لگ بھگ اسی کی عمر کے چار لوگ براجمان تھے.ان چاروں میں سے ایک اس کی یعنی کہ باس کی سربراہی کرسی پر بیٹھا تھا جبکہ ٹانگیں اس کی چیئر کے آگے رکھی میز پر ٹکی تھیں آنکھوں کو بند کیے سر کرسی کی پشت ہر

ٹکائے وہ شخص اپنی ہی دنیا میں گم تھا. باقی تین میں سے دو ٹیبل کی دوسری جانب رکھی وزیٹر چیئر پر بیٹھ کر ٹیبل پر پڑی ایل ای ڈی کو اپنی جانب موڑے کسی انگلش مووی سے لطف اندازہو رہے تھے. جبکہ ان میں سے ایک آفس میں رکھے صوفے پر دراز فون استعمال کرنے میں مصروف تھا. دیکھنے میں یہ منظر مشہور و معروف گیم ڈیویلیمینٹ کمپنی "نیورون" کے سی ای او کے آفس کا نہیں بلکہ کسی تفریحی مقام کا لگتا تھا. اپنے غصے پر قابو پا تاوہ آفس کی جانب قدم اٹھانے لگا. اس نے آفس کا دروازہ کھولا ہی تھا جب اس کی چیئر پر بیٹھا شخص بولا

" نو دو گیارہ ہو جاؤ اب یہاں سے کیونکہ پروفیٹک مونسٹر آنے والا ہے "اس شخص کی آنکھیں ہنوز بند تھیں. اگر کھلی ہوتی تو دیکھ لیتا جس کے آنے کا اس کو ڈر ہے وہ اس سے چند قدم دور کھڑا ہے .

" فکر نہ کر پیٹر میں نے ڈرائیو سے کہا تھا کہ ذرا لیٹ جائے اس کو لینے تاکہ ہم کچھ دیر اور آزادی کے لمحات گزار لیں. "وزیٹر چیئر پر بیٹھے دو افراد میں سے ایک سے ایک نے پیٹر کو حوصلہ دیا. ان دونوں کی پشت دروازے کی جانب تھی اس لیے الہان کو وہاں کھڑے دیکھ نہیں پائے تھے .

" یار ویسے پروفیٹک مونسٹر نے ہمارے ساتھ کتنا ظلم کیا ہے "صوفے پر دراز شخص نظریں فون پر ٹکائے سرد آہ بھرتے ہوئے بولا

" کون سا ظلم اینڈی؟ "پیٹر نے سوال کیا. یہ ساری گفتگو الہان دروازے سے ٹیک لگا کر خاموشی سے گوش گزار کر رہا تھا .

" وہی ظلم جس کے خلاف میں پچھلے آٹھ سال سے آواز اٹھارہاہوں. ہزار بار گزارش کی تھی میں نے پروفیٹک مونسٹر سے کہ آفس میں کسی لڑکی کو ریسیپشنسٹ کے طور پر رکھ لیں. اسی بہانے انسان کا آفس میں دل لگ جائے گا. مگر مجال ہے جو اس کے کان پر جوں بھی رینگی ہو رکھ لیا نا اس ڈھکن کو ریسیپشنٹ کے طور پر جس کی شکل دیکھ دل کرتا ہے بندہ دروازے سے ہی واپس چلا جائے. جارج بھی اس معاملے میں میرا ہم خیال ہے. کیوں جارج؟" اینڈی نے فلم سے لطف اندازہوتے جارج کو بھی گفتگو میں شامل کیا .

" میرے بھی اس معاملے میں وہی نیک خیالات ہیں جو تمہارے ہیں. مجھے تو یہ آفس کم خانقاہ زیادہ لگتی ہے" جارج سرد آہ بھرتے ہوئے بولا اور پھر جیسے ہی اس نے صوفے پر دراز اینڈی کی جانب رخ موڑا دروازے میں کھڑے الہان عرف باس عرف پروفیٹک مونسٹر پر ں ظر پڑتے ہی اس کی زبان تالو سے جا چپکی .

" سائمن ذرہ اس پیٹر کو ہوش کی دنیا میں لاؤ" اینڈی نے وزیٹر چیئر پر بیٹھے سائمن کو سر براہی کرسی پر آنکھیں بند کیے بیٹھے پیٹر کی جانب متوجہ کروایا .

" سکون سے فلم سے لطف اندازنہ ہونے دینا مجھے. یہ لو کردی بند" سائمن جو کب سے ان کی باتوں کو نظرانداز کیے فلم پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش میں مصروف تھا فلم بند کرتے ہوئے تنگ کر بولا

" میں نے تمہے کیا کہہ دیا ہے جو یوں جل بھن رہے ہو. میں تو صرف تمہے پیٹر کی جانب متوجہ کروا رہا تھا" اینڈی اور سائمن کی اب تک دروازے کی جانب پشت تھی اور پیٹر نے تو ویسے ہی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اس لیے وہ الہان کی موجودگی سے بے خبر تھے .

" پیٹر میرے دوست ہوش میں آ کیوں دیوداس بنا بیٹھا ہے. کیتھی کی شادی ہوئے اب تو عرصے بیت گیا ہے" سائمن میز پر رکھی پیٹر کی ٹانگ ہلاتے ہوئے بولا

" پیٹر کیوں تم نے خود کو روگی بنا لیا ہے؟ کون سا ایسا دکھ ہے جو تمہے جینے نہیں دیتا؟ جو تمہے اس خوشی کے وقت میں بھی خوش نہیں ہونے دے رہا؟ کہیں تمہے یہ دکھ تو نہیں ستا رہا کہ تم سنگل ہو؟ اگر ایسا ہے تو ہم سب بلکہ ہمارے آفس کا ایک ایک بندہ تمہارے ساتھ اس دکھ میں برابر کا شریک ہے کیونکہ ہم سب بھی اب تک سنگل ہی ہیں" اینڈی ڈرامائی انداز میں بولا

" یہ خوشی کے وقت سے کیا مراد ہے؟" سائمن ابھی تک خوشی کے وقت پر اٹکا تھا

" خوشی کے وقت سے مراد وہ وقت ہے جو ہم پچھلے ایک ہفتے سے پروفیٹک مونسٹر کی غیر موجودگی میں گزار رہے ہیں" اینڈی نے اپنی ڈکشنری کے مطابق خوشی کے وقت کی تعریف بیان کی. اس ساری گفتگو کے دوران جارج خاموش تھا کیونکہ وہ دروازے میں کھڑے الہان کو دیکھ چکا تھا.

" ویسے اینڈی یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہم سب کہ سنگل ہونے کی وجہ پروفیٹک مونسٹر..." سائمن ایل ای ڈی بند کر کے بولتے ہوئے جیسے ہی مڑا اس کی بات وہیں بیچ میں رہ گئی .

"بالکل سہی کہا تم نے سائمن... ہم سنگل باس کی وجہ سے ہی ہیں کیونکہ اس نے پچھلے آٹھ سالوں نے ہمارے ناتواں کندھوں پر کام کا اتنا بوجھ ڈالا ہے کہ ہمیں دنیا کی رنگینیوں کی جانب نگاہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا" پیٹر جو کب سے ان کی فضول باتیں خاموشی برداشت کر رہا تھا اپنے مطلب کی بات سن کر بولا اور پھر اپنی بات کے جواب میں ان کے تاثرات دیکھنے کے لیے جیسے ہی اس نے اپنی بند آنکھیں کھولیں اس کی نظر دروازے میں کھڑے الہان سے ٹکرائیں. گولی کی رفتار سے اس نے میز ہر ٹکی اپنی ٹانگیں نیچے کیں اور مودبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا .

"یار کیا ہوا ہے تم سب اچانک سے خاموش کیوں ہو گئے ہو؟" اینڈی فون پر نظریں ٹکائے کمرے میں خاموشی چھا جانے کی وجہ دریافت کر رہا تھا .

"حواب تو دو" کوئی جوب نہ پا کر اس نے فون سے نظریں ہٹا کر اس نے پہلے سائمن اور جارج کی جانب دیکھا جو سر جھکائے وزیٹر چیئر پر بیٹھے تھے پھر مودب کھڑے پیٹر کو دیکھا. ان سب کی شرافت دیکھ کر اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا. اپنے خدشہ کی تصدیق کرنے کے لیے اس نے گردن گھما کر دروازے کی جانب دیکھا.

****

جاری ہے۔

نوٹ

صیاد از رباب تنویر کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہوا گر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تا کہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ (نیو ایرا میگزین)

New Era Magazine